نہج البلاغہ شناسی:

کلام امیر المومنین کے امتیازات

استاد مرتضیٰ مطہری

''نہج البلاغہ'' ایک نفیس مجموعہ ہے جس پر زمانہ کی گردشیں اثر انداز نہیں ہوسکیں۔ بلکہ زمانہ کی دوڑ کے نئے سے نئے اور روشن سے روشن تر افکار ونظریات برابر اس کی قدر و قیمت میں اضافہ کرتے رہے ہیں۔ یہ حضرت علیؑ کے خطبوں، دعاؤں، وصیتوں، خطوط اور کلمات قصار کا انتخاب ہے جو تقریباً ایک ہزار سال قبل سید رضی رضوان اللہ علیہ کی کوششوں سے منظر عام پر آیا۔ جو چیز ناقابل انکار ہے وہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ چونکہ ایک خطیب تھے لہذا انہوں نے بہت سارے خطبے ارشاد فرمائے ہیں۔ نیز مختلف موقع ومحل کی مناسبت سے چھوٹے مگر حکیمانہ جملے کثرت کے ساتھ آپ سے سنے گئے ہیں۔ اسی طرح حضرت نے بہت سارے خطوط خصوصاً دوران خلافت تحریر فرمائے ہیں جن کو مسلمانوں نے کافی دلچسپی کے ساتھ قلم بند کیا ہے۔

مسعودی جو سید رضیؒ سے تقریباً سو سال پہلے (تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں) گزرا ہے ''مروج الذہب'' کی دوسری جلد میں لکھتا ہے:

'' حضرت علیؑ کے وہ خطبے جو لوگوں نے مختلف موارد میں یاد کئے ہیں ان کی تعداد چار سو اسی سے کچھ زائد تک پہونچتی ہے۔ حضرت علیؑ کے فی البدیہہ کلام کے الفاظ سے بھی جنہیں آپ نے بغیر کسی یاد داشت یا مسودہ کی تیاری کے ارشاد فرمایا ہے لوگ محظوظ ہوئے اور عمل کے میدان میں بھی اس سے مستفید ہوتے ہیں۔''

مسعودی جیسے آگاہ و باخبر محقق و دانشور کی گواہی بتاتی ہے کہ حضرت علیؑ نے کتنے زیادہ خطبے ارشاد

فرمائے ہیں۔ نہج البلاغہ میں صرف ۲۳۹ خطبے نقل ہوئے ہیں جبکہ مسعودی نے ان کی تعداد ۴۸۰ سے کچھ اوپر بتائی ہے۔ اس کے علاوہ مختلف طبقوں کے افراد میں اس کے تئیں دلچسپی اور حفظ وقلم بند کرنے کے سلسلے میں اہتمام کا بھی پتہ چلتا ہے۔

سید رضیؒ اور نہج البلاغہ:

سید رضیؒ ذاتی طور پر کلام حضرت علیؑ کے گرویدہ تھے۔ وہ ایک ادیب' شاعر اور سخن شناس شخص تھے۔ ان کے بارے میں ان کا ہمعصر ثعالبی کہتا ہے:

'' وہ دور حاضر کی عجیب ترین اور عراقی سادات میں سب سے زیادہ معزز وشریف شخصیت ہیں۔ حسب ونسب کی بزرگی سے قطع نظر وہ ادب اور فضل وکمالات سے آراستہ ہیں ۔ باوجود اس کے کہ آل ابوطالبؑ میں بہت سے نامور شعراء ملتے ہیں' وہ سب سے افضل و برتر ہیں اور اگر ہم یہ کہیں کہ پورے قریش میں کسی کی شاعری ان کے پایہ تک نہیں پہنچتی تو یہ کہنا حقیقت سے دور نہ ہوگا ''(۱)

سید رضیؒ کی یہی دلچسپی جو ادب سے عموماً اور کلام علیؑ سے خصوصاً تھی' باعث ہوئی اس بات کی کہ آپ نے کلمات حضرت علیؑ کو زیادہ تر فصاحت و بلاغت اور ادب کے زاویہ سے دیکھا۔ چنانچہ اس کے انتخاب میں بھی انہوں نے اس کا لحاظ رکھا ہے یعنی آپ کی نظر کو ان حصوں نے زیادہ جذب کیا ہے جو بلاغت کے لحاظ سے خاص شہرت رکھتے ہیں۔ اسی وجہ سے آپ نے اپنے اس منتخب مجموعہ کا نام '' نہج البلاغہ '' رکھا، اور اسی لئے ماخذ ومدارک کے ذکر کو بھی زیادہ اہمیت نہیں دی، صرف کہیں کہیں کسی خاص مناسبت کے تحت اس کتاب کا نام ذکر کیا ہے کہ جس میں اس خطبے یا خط کو نقل کیا گیا ہے۔

کسی اہم تاریخی یا حدیثی مجموعہ کے لئے سند ومدرک کا مشخص ومعین ہونا ضروری ہے، ورنہ وہ قابل اعتبار قرار نہیں پائیگا۔ ایک ادبی شاہکار کی اہمیت اس کی لطافت وچاشنی اور اسلوب نگارش میں ہوتی ہے لیکن سید رضیؒ کے لئے یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ وہ تاریخی اقدار اور دیگر تمام معیارات سے غافل اور صرف اس کے ادبی اقدار کی طرف متوجہ رہے ہیں۔ خوش قسمتی سے ادھر آخری دور میں چند دوسرے افراد نے نہج البلاغہ کے اسناد ومدارک جمع کرنے پر کمر باندھی ہے اور شاید سب سے جامع ومفصل کتاب '' نہج السعادہ فی مستدرک نہج البلاغہ '' ہے، جو اس وقت ایک مشہور عراقی محقق وعالم دین محمد باقر محمودی کے ذریعے تکوین کے مرحلہ میں

ہے۔اس گراں بہا کتاب میں حضرت علیؑ کے خطبے، دستورات، خطوط، مقالے، وصیتیں، دعائیں اور کلمات قصار کو جمع کیا گیا ہے۔اس کتاب میں موجودہ نہج البلاغہ کے علاوہ کچھ وہ چیزیں بھی ہیں جن کا انتخاب سید رضیؒ نے نہیں کیا ہے یا یہ کہ وہ اس کو حاصل نہیں کر سکے ہیں اور ظاہراً چند کلمات قصار کو چھوڑ کر سب کے مدارک اور ماخذ مل گئے ہیں۔اب تک اس کی چار جلدیں منظر عام پر آ چکی ہیں:

یہاں یہ نکتہ بھی یاد رہے کہ کلام حضرت علیؑ کی جمع آوری کا کام صرف سید رضیؒ کی ذات تک ہی محدود نہیں ہے، دوسرے افراد نے بھی اس سلسلہ میں مختلف ناموں سے کتابیں تالیف کی ہیں۔ان میں مشہور کتاب آمدی کی ''غرر و درر'' ہے جس کی شرح فارسی میں محقق جمال الدین خوانساری نے کی ہے جو ابھی کچھ دنوں قبل فاضل محقق عالیجناب میر جلال الدین محدث کی کاوشوں کے نتیجہ میں تہران یونیورسٹی کی طرف سے طبع ہوئی ہے۔قاہرہ یونیورسٹی کے شعبہ علوم کے صدر 'علی الجندی نے کتاب ''علی ابن ابی طالبؑ 'شعرہ و حکمہ'' کے مقدمہ میں ان مجموعوں میں سے چند کتابوں اور نسخوں کا تذکرہ کیا ہے جن میں بعض مخطوطہ کی شکل میں موجود ہیں اور ابھی تک زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکے ہیں۔ان کے نام یہ ہیں۔

(۱) دستور معالم الحکم، الخطط کے مصنف قضاعی کی تصنیف ہے۔

(۲) '' نثر اللئالی '' اس کتاب کا ترجمہ ایک روسی مستشرق نے کیا ہے۔یہ ایک ضخیم جلد کی شکل میں منظر عام پر آ چکی ہے۔

(۳) ''حکم سیدنا علیؑ '' ایک خطّی نسخہ جو مصر کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

کلام علیؑ کے دو امتیازات

کلام امیر المومنینؑ زمانہ قدیم سے ہی دو امتیازات کا حامل رہا ہے۔انہی امتیازات سے اس کی شناخت ہوتی رہی ہے۔ایک فصاحت و بلاغت اور دوسرے متعدد جہات اور مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہونا۔ان میں سے ہر ایک امتیاز اپنی جگہ تنہا کلام علیؑ کی بے پناہ اہمیت کے لئے کافی ہوتا چہ جائیکہ ان دونوں کا ایک جگہ جمع ہونا یعنی ایک گفتگو جو مختلف بلکہ کہیں کہیں بالکل متضاد جہتوں اور میدانوں سے گزر رہی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ اپنے کمال فصاحت و بلاغت کو بھی باقی رکھے ہوئے ہے۔اس نے کلام حضرت علیؑ کو معجزہ کی حد سے قریب کر دیا ہے۔اسی وجہ سے آپ کا کلام خالق اور مخلوق کے کلام کے درمیان رکھا جاتا ہے اور اس کے لئے

''فوق کلام المخلوق وتحت کلام الخالق'' کا مقولہ وضع کیا گیا ہے۔

فصاحت و بلاغت:

سخن فہم افراد کے لئے نہج البلاغہ کا یہ امتیاز محتاج تعارف نہیں ہے کہ کلام کی زیبائی فہم وادراک سے تعلق رکھتی ہے نہ کہ توصیف و مدح سے۔ تقریباً چودہ سو سال بعد بھی نہج البلاغہ کے سننے والے کو وہی لطافت و چاشنی اور جاذبیت ملتی ہے جو اس زمانہ میں لوگوں کو ملتی تھی۔ ہم اس بات کو ثابت کرنے کے درپے ہیں۔ البتہ بحث کی مناسبت سے ہم حضرت علیؑ کے کلام کی تاثیر اور دلوں پر اثر ونفوذ اور باوجود ان تمام انقلابات وتغیرات کے جو ذوق وفکر میں پیدا ہوئے ہیں' آپ کے زمانہ سے آج تک حیرت وتعجب کو برانگیختہ کر دینے کا جو سلسلہ اب بھی جاری ہے اس کا آغاز خود آنحضرتؐ کے زمانے سے ہی کر رہے ہیں۔ اس کے بارے میں ہم ایک بات پیش کرتے ہیں :-

حضرت علیؑ کے ساتھی خصوصاً وہ افراد جو فن خطابت سے تھوڑی بہت آشنائی رکھتے تھے آپ کی خطابت کے شیدا تھے' ان ہی شیدائیوں میں سے ایک ابن عباس ہیں جیسا کہ جاحظ نے ''البیان والتبیین'' میں لکھا ہے کہ وہ خود بھی ایک زبردست خطیب تھے۔ (۲) انہوں نے حضرت علیؑ کی شیریں باتیں اور تقریریں سننے اور اس سے لطف اندوز ہونے کا اپنا اشتیاق چھپایا نہیں ہے۔ چنانچہ جب حضرت علیؑ اپنا مشہور ''خطبۂ شقشقیہ'' ارشاد فرما رہے تھے' ابن عباس موجود تھے۔ خطبہ کے دوران کوفہ کی ایک علمی شخصیت نے ایک خط جس میں چند مسائل تھے آنحضرت کو دیا اور حضرت نے خطبہ روک دیا۔ آپ نے خط پڑھنے کے بعد باوجود اس کے کہ ابن عباس نے خطبہ جاری رکھنے کی فرمائش کی' بات آگے نہ بڑھائی۔ ابن عباس نے کہا: مجھے اپنی عمر میں کسی بات کا اتنا افسوس نہیں ہوا جتنا اس تقریر کے قطع ہونے کا افسوس ہے۔ ابن عباس حضرت کے ایک مختصر خط کے بارے میں جو خود ان ہی کے نام تھا' کہتے ہیں: ''پیغمبر اسلام کی باتوں کے بعد حضرت علیؑ کے اس کلام سے زیادہ کسی اور کلام سے میں مستفید نہیں ہوا ہوں۔'' (۳)

معاویہ ابن ابوسفیان جو آپؑ کا سب سے بڑا دشمن تھا، وہ بھی آپ کے کلام کی غیر معمولی فصاحت وزیبائی کا معترف تھا۔

ایک شخص حضرت علیؑ کو چھوڑ کر معاویہ سے مل گیا' اور صرف معاویہ کے دل کو خوش کرنے

کے لئے جو کینہ حضرت علیؑ سے لبریز تھا' وہ کہتا ہے:

''میں ایک گنگ ترین شخص کو چھوڑ کر تمہارے پاس آیا ہوں۔''

یہ چاپلوسی اتنی ناقابل قبول تھی کہ خود معاویہ نے اس کو ڈانٹتے ہوئے کہا ''وائے ہو تجھ پر! تو علیؑ کو گونگا ترین شخص کہتا ہے؟ جب کہ قریش علیؑ سے پہلے فصاحت سے واقف بھی نہ تھے۔ حضرت علیؑ ہی نے قریش کو درس فصاحت دیا ہے''

وہ افراد جو آپ کے زیر منبر بیٹھتے تھے' بہت زیادہ متاثر ہو جاتے تھے۔ آپ کے موعظے دلوں کو ہلا دیتے تھے اور آنکھوں سے اشک جاری کر دیتے تھے۔ آج بھی کون سا دل ہے جو حضرت علیؑ کے موعظانہ خطبات کو پڑھے یا سنے اور لرز نہ اٹھے؟ (۴)

سید رضیؒ مشہور خطبہ غرّاء نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ جس وقت حضرت علیؑ نے یہ خطبہ دیا لوگوں کے بدن کانپ اٹھے' اشک جاری ہو گئے اور دلوں کی دھڑکنیں بڑھ گئیں۔

(۲) جلد اول صفحہ: ۲۳ (۳) نہج البلاغہ خط ۲۲ (۴) خطبہ ۸۱

ہمام ابن شریح جو آپ کے ان دوستوں میں سے تھے جن کا دل عشق خدا سے لبریز اور روح معنویت سے سرشار تھی' حضرت علیؑ سے اصرار کرتے ہیں کہ خاصان خدا کے صفات بیان کیجئے: ایک طرف حضرت نہیں چاہتے کہ ان کو مایوس کن جواب دیں اور دوسری طرف اس بات کا بھی خوف تھا کہ کہیں ہمام اس کو سن کر برداشت نہ کر سکیں۔ لہذا آپ نے چند مختصر جملوں میں بات تمام کر دی۔ لیکن ہمام اتنے پر راضی نہیں ہوئے۔ ان کی آتش شوق اور بھڑک اٹھی۔ اصرار بڑھتا رہا اور وہ آپ کو قسم دے دیتے ہیں: اب آپ نے بیان کرنا شروع کیا۔ تقریباً اس سلسلہ کے ۱۰۵ صفات بیان کئے اور ابھی سلسلہ جاری تھا۔ (۵)

لیکن جیسے جیسے آپ کا بیان بڑھتا جاتا تھا ہمام کے دل کی دھڑکنیں تیز تر ہوتی جاتی تھیں اور ان کی متلاطم روح کے تلاطم میں اضافہ ہوتا جاتا تھا' اور کسی طائر قفس کی مانند روح قید بدن سے پرواز کے لئے بیتاب تھی کہ ناگاہ ایک ہولناک چیخ نے سامعین کو اپنی طرف متوجہ کر لیا وہ کسی اور کی نہیں خود ہمام کی چیخ تھی۔ جب لوگ سرہانے پہنچے تو روح قفس عنصری سے پرواز کر چکی تھی۔ حضرت علیؑ نے فرمایا:

میں اسی بات سے ڈر رہا تھا۔ عجب! آمادہ قلوب پر بلیغ موعظہ اسی طرح اثر کرتا ہے۔

یہ تھا آپ کے ہم عصروں پر آپ کے کلام کا اثر۔

رسولؐ کے بعد تنہا حضرت علیؑ کی وہ ذات ہے جس کے کلام کو لوگ حفظ کرنے کا اہتمام کرتے رہے ہیں۔ ابن ابی الحدید عبدالحمید کاتب سے جو انشاء پردازی میں ضرب المثل (۶) ہے اور دوسری صدی ہجری کے اوائل میں گزرا ہے نقل کرتے ہیں۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت علیؑ کے ستر خطبے حفظ کئے اور اس کے بعد میرا ذہن یوں جوش مارتا تھا جیسا جوش مارنے کا حق ہے۔

(۵) میرے شمار کے لحاظ سے ۱۰۵ ہی صفات ہیں اگر مجھ سے اشتباہ نہ ہوا ہو۔

" علی الجندی " لکھتے ہیں کہ لوگوں نے عبدالحمید سے معلوم کیا کہ اسے بلاغت کے اس مقام پر کس چیز نے پہنچایا تو اس نے کہا: (۷) ''علیؑ کے خطبوں کے یاد کرنے نے''

عبدالرحیم ابن نباتہ جو خطبائے عرب میں اسلامی دور کا ضرب المثل خطیب ہے اعتراف کرتا ہے کہ میں نے فکر و ذوق کا سرمایہ حضرت علیؑ سے حاصل کیا ہے۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ کے مقدمہ میں اس کا یہ قول نقل کیا ہے:

"میں نے حضرت علیؑ کے کلام کی سو فصلیں حفظ کیں اور ذہن میں محفوظ کر لی ہیں یہی میرا وہ خزانہ ہے جو ختم ہونے والا نہیں ہے۔"

مشہور ادیب، سخندان، سخن شناس نابغۂ ادب جاحظ جو کہ تیسری صدی ہجری کے اوائل میں گزرا ہے اور جس کی کتاب ''البیان والتبین'' ادب کے ارکان چہارگانہ میں شمار ہوتی ہے۔ اپنی کتاب میں بار بار حضرت علیؑ کے بارے میں کہتا ہے۔

''زیادہ بولنے کی جو مذمت آئی ہے وہ بیہودہ باتوں کے سلسلہ میں ہے نہ کہ مفید و سودمند کلام کی ورنہ حضرت علیؑ ابن ابی طالبؑ اور عبداللہ بن عباس کے کلام بھی بہت زیادہ پائے جاتے ہیں۔'' جاحظ نے حضرت علیؑ کا یہ مشہور جملہ بھی نقل کیا ہے:

قیمة کل امرء ما یحسنه ''ہر شخص کی قیمت اس کے علم و دانائی کے مطابق ہے'' اور پھر آدھے صفحہ سے زیادہ اس جملہ کی تعریف میں صرف کرتے ہوئے کہتا ہے:

''ہماری پوری کتاب میں اگر صرف یہی ایک جملہ ہوتا تو کافی تھا، بہترین کلام وہ ہے جو کہ کم ہونے کے باوجود

آپ کو اپنے بہت ہونے سے بے نیاز کر دے اور معنی لفظ پنہاں نہ رہیں بلکہ ظاہر و آشکار ہوں۔'' پھر کہتا ہے کہ:

گویا خداوند عالم نے ایک جلالت کا پیرہن اور نور حکمت کی چادر اس کلمہ کے کہنے والے کے تقوے اور نیت کی پاکیزگی کی مناسبت سے، اس مختصر جملہ کو پہنا دیا ہے۔''

جاحظ اسی کتاب میں جہاں اس نے صعصعہ ابن صوحان کی تقریر و خطابت کے بارے میں بحث کی ہے' لکھتا ہے۔

''اسکی خطابت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ کبھی کبھی حضرت علیؑ بھی بیٹھ جاتے تھے اور اس سے تقریر کی فرمائش کرتے تھے''۔ مولاؑ کے کلام کی ستائش و توصیف میں سید رضیؒ کا مشہور جملہ ہے۔

''امیر المومنینؑ فصاحت کا منبع اور اس کی بنیاد و سرچشمہ ہیں۔ ان ہی سے بلاغت کے سوتے پھوٹتے ہیں' بلاغت کے پوشیدہ اسرار ان کے وجود سے ظاہر ہوئے ہیں۔ اس کے قوانین و دستورات ان ہی سے لئے گئے ہیں۔ ہر ایک صاحبِ کمال خطیب نے ان کا اتباع کیا ہے اور ہر شیر مقال واعظ نے آپ کا سہارا لیا ہے۔ اس کے باوجود لوگ آپ کی بلندیوں تک نہیں پہنچ سکے ہیں اور پیچھے رہ گئے ہیں' کیونکہ مولاؑ کے کلام سے علم الٰہی کی جھلک اور کلام نبیؐ کی مہک پھوٹتی ہے۔''

۔۔۔ابن ابی الحدید کہ جن کا شمار ساتویں صدر ہجری کے معتزلی علماء میں ہوتا ہے ایک بہترین ادیب اور موشگاف شاعر بھی ہیں اور جیسا کہ ہم سب جانتے ہیں وہ مولاؑ کے کلام کے والہ و شیدا ہیں اور انھوں نے اپنی کتاب میں متعدد جگہ اپنی والہانہ شیفتگی کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ ایک کتاب کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

''حق تو یہ ہے کہ لوگوں نے بجا طور پر آپ کے کلام کو خالق کے کلام کے بعد اور بندوں کے کلام سے بالاتر قرار دیا ہے۔ لوگوں نے تحریر و تقریر دونوں فنون آپ سے سیکھے ہیں۔ آپ کی عظمت کے لئے یہی کافی ہے کہ لوگوں نے آپ کے کلام کا دسواں بلکہ بیسواں حصہ جمع اور محفوظ کیا ہے۔ اس کے برابر کسی بھی دوسرے صحابیٔ رسول کے کلام سے' اس کے باوجود کہ ان کے درمیان فصحا کی تعداد موجود ہے' نقل نہیں کیا ہے۔ مزید اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ جاحظ نے اپنی کتاب البیان والتبین اور دوسری تمام کتابوں میں آپ کی مدح خوانی کی ہے۔''

اپنی شرح نہج البلاغہ کی چوتھی جلد میں امامؑ کے اس خط کا ذکر اور تعریف کرتے ہوئے جسے آپ نے مصر پر معاویہ کی فوج کے تسلط اور محمد ابن ابی بکر کی شہادت کے بعد عبداللہ ابن عباس کے نام تحریر فرمایا تھا' ابن ابی الحدید کہتے ہیں:

''دیکھئے! فصاحت نے اپنی باگ ڈور کس طرح اس مرد کے سپرد کردی ہے۔ الفاظ کی بندش کو دیکھئے ایک کے بعد ایک آتے ہیں اور خود کو اس طرح اس کے حوالے کئے جاتے ہیں جیسے زمین سے چشمہ ابل رہا ہو' سبحان اللہ! مکہ جیسے شہر میں پروان چڑھنے والے اس عرب جوان کا کیا کہنا کہ جس نے کسی فلسفی و مفکر کی صورت بھی نہیں دیکھی لیکن اس کا کلام حکمت نظری میں افلاطون وارسطو کے کلام سے کہیں زیادہ بلند ہے۔ جو حکمت عملی سے آراستہ بندوں کی بزم میں بھی نہیں بیٹھا لیکن سقراط کی حد پرواز سے کہیں آگے پہنچا ہوا ہے جس نے بہادروں اور پہلوانوں سے تربیت حاصل نہیں کی (کیونکہ اہل مکہ تجارت پیشہ تھے جنگ جُو نہیں تھے) لیکن روئے زمین پر پورے عالم بشریت میں شجاع ترین انسان تھا۔ خلیل ابن احمد سے سوال کیا گیا علیؑ زیادہ شجاع ہیں یا عنبسہ و بسطام؟ اس نے کہا کہ ''عنبسہ و بسطام کا موازنہ انسانوں سے کرنا چاہئے علیؑ مافوق بشر ہیں''۔ یہ مرد سحبان ابن وائل اور قیس ابن ساعدہ سے زیادہ فصیح ہے حالانکہ وہ قریش کے قبیلہ سے تعلق رکھتا ہے جن کا عرب کے درمیان فصاحت میں کوئی مقام نہیں ہے بلکہ فصیح ترین قبیلہ ''جرہم'' ہے اگرچہ وہ سوجھ بوجھ میں پیچھے ہے۔''

چودہ سو سال سے زیادہ عرصہ گزرا' دنیا نے ہزاروں روپ دھارے، تہذیب وثقافت نے بے شمار کروٹیں بدلیں اور علم وفن کے ذائقوں میں انقلاب انگیز تبدیلیاں آئیں۔ لہذا ممکن ہے کوئی تصور کرے کہ قدیم ثقافت اور قدیم ذوق حضرت علیؑ کے کلام کو پسند کرتا تھا اور اس کے سامنے سپر انداختہ تھا مگر عہد نو کی فکر اور جدید ذوق کا فیصلہ اس سے مختلف ہے! لیکن یہ بات معلوم ہونا چاہئے کہ حضرت علیؑ کا کلام اپنی صورت و معنیٰ، ہر دو لحاظ سے کسی بھی زمان ومکان میں محدود ومقید نہیں ہے بلکہ عالمی پیمانے پر ہر زمانے کے انسانوں کے لئے ہے۔

مصر کے سابق مفتی شیخ محمد عبدہ مرحوم کہ جن کو اتفاق اور وطن سے دوری نے نہج البلاغہ سے آشنا کردیا اور پھر آشنائی اور شیفتگی و وارفتگی اس مقدس کتاب کی شرح وتفسیر اور عرب کی جوان نسل کے درمیان اس

کی تبلیغ وترویج پر منتہی ہوئی' اپنی شرح کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

''تمام عرب زبانوں میں کوئی ایک شخص بھی ایسا نہیں جو اس بات کا معتقد نہ ہو کہ قرآن کریم اور کلام نبوی کے بعد سب سے زیادہ متین' جامع' بلیغ اور پر معنی کلام علیؑ کا کلام ہے۔''

قاہرہ یونیورسٹی کے شعبۂ علوم کے صدر" علی الجندی "اپنی کتاب ''علی ابن ابی طالب شعرہٗ وحکمہ'' کے مقدمہ میں مولائے کائنات کی نثر کے بارے میں تحریر فرماتے ہیں۔:

''آپ کے کلام میں ایک خاص قسم کی موسیقی کا آہنگ ہے جو احساسات
کی گہرائیوں میں پنجے جما دیتا ہے۔ سجع کے اعتبار سے اس قدر منظوم ہے
کہ اسے ''نثری شعر'' کہا جا سکتا ہے۔''

پھر قدامہ ابن جعفر سے نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس کا خیال ہے:

''بعض افراد طویل خطبوں میں اور بعض کوتاہ سخنی میں مہارت رکھتے ہیں'
لیکن علیؑ دوسری تمام فضیلتوں کی طرح ان دونوں میدانوں میں بھی سب پر فوقیت رکھتے ہیں۔''

ہمارے زمانے کے مشہور قلم کار وادیب طہٰ حسین مصری اپنی کتاب ''علی وبنوہٗ'' میں ایک شخص کی داستان نقل کرتے ہیں کہ وہ جنگ جمل کے درمیان شک میں پڑ جاتا ہے اور اپنے آپ سے کہتا ہے کیسے ممکن ہے کہ طلحہ وزبیر ایسی شخصیتیں غلطی پر ہوں؟ وہ اپنی اس درونی بے کلی کو خود حضرت علیؑ کے سامنے بیان کرتا ہے اور آپ سے دریافت کرتا ہے کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایسی عظیم شخصیتیں کہ جن کا سابق خراب نظر نہ آتا ہو اس طرح خطا کا ارتکاب کریں؟ حضرت علیؑ فرماتے ہیں:

" انّك لملبوس عليك ' ان الحق والباطل لا يعرفان باقدار الرّجالُ اعرف الحق تعرف اهله ' واعرف الباطل تعرف اهله "

تم سخت اشتباہ سے دوچار ہو اور تم نے الٹی روش اختیار کی ہے۔ بجائے اس کے کہ تم حق وباطل کو شخصیتوں کی عظمت وحقارت کی کسوٹی قرار دو، تم ان عظمتوں اور حقارتوں کو جن کو تم نے پہلے سے اپنے خیال خام میں فرض کر رکھا ہے حق وباطل کی کسوٹی قرار دے رہے ہو۔ تم افراد کے ذریعہ حق کو پہچاننا چاہتے ہو! اس روش کو بدلو! پہلے خود حق کی معرفت حاصل کرو اس کے بعد خود بخود اہل حق کو پہچان لوگے۔ خود باطل کو

پہچان لو، تب اہل باطل کو بھی پہچان لو گے۔ اس وقت تم اس چیز کو اہمیت نہیں دو گے کہ کون حق کا حامی ہے اور کون باطل کا طرف دار ہے؟ اور ان افراد کے غلطی پر ہونے سے متعلق شک وشبہ میں نہیں پڑو گے۔'' اس داستان کو نقل کرنے کے بعد طٰہٰ حسین کہتے ہیں:

''میں نے قول خدا اور وحی کے بعد اس سے زیادہ مناسب اور پرشکوہ جواب نہ کہیں دیکھا ہے اور نہ ہی اس سے واقف ہوں۔''

شکیب ارسلان جن کو ''امیر البیان'' کا لقب ملا ہے اور دور حاضر کے زبردست عرب قلم کاروں میں ہیں، مصر میں ایک جلسہ میں تشریف فرما تھے جو ان کے اعزاز میں منعقد ہوا تھا۔ حاضرین میں سے ایک شخص ڈائس پر جاتا ہے اور اپنی تقریر کے ضمن میں کہتا ہے:

''تاریخ اسلام میں دو افراد پیدا ہوئے ہیں کہ جو واقعاً امیر سخن کہلانے کے حق دار ہیں۔ ایک علیؑ ابن ابی طالب دوسرے شکیب۔''

شکیب ارسلان پیچ وتاب کھاتے ہوئے اٹھتے ہیں اور ڈائس کے قریب جا کر اپنے اس دوست سے جس نے اس طرح کا موازنہ کیا تھا، گلہ کرتے ہوئے کہتے ہیں:۔

''میں کہاں اور علی ابن ابی طالبؑ کہاں! میں! علیؑ کے نعلین کا تسمہ شمار کئے جانے کے قابل بھی نہیں ہوں۔''

میخائل نعیمہ جو لبنان میں ایک مشہور عیسائی قلم کار ہے، لبنان کے ہی عیسائی مصنف جارج جرداق کی کتاب ''الامام علیؑ'' کے مقدمہ میں لکھتا ہے!

''علیؑ فقط میدان جنگ کے فاتح نہیں تھے بلکہ وہ ہر میدان کے فاتح تھے۔ صفائے دل، وجدان کی پاکیزگی، بیان کی سحر آمیز جاذبیت، حقیقی انسانیت، ایمان کی حرارت، پُرشکوہ سکوت۔ مظلوموں کی حمایت ہر نقطۂ ہر موڑ پر جہاں بھی نظر آ جائے حقیقت کے سامنے سراپا تسلیم ہو جانا'' وہ ان تمام میدانوں کے چمپئن تھے۔''

مفاہیم کی گہرائی:

اب ہم حضرت علیؑ کے کلام کی دوسری خصوصیت یعنی اس کے معانی کا مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہونا' جو ان مقالات کا اصل موضوع ہے' موردِ بحث قرار دیتے ہیں:

کم وبیش ہر قوم کے پاس کچھ ادبی سرمایہ ہوتا ہے اور ان میں سے بعض شہ پارے ادبی افتخار و شاہکار شمار کئے جاتے ہیں۔ عہد قدیم کے یونانی وغیر یونانی ادبی شاہکاروں اور عہد جدید کے اٹلی' فرانس اور انگلینڈ کے ادبی شاہکاروں سے قطع نظر کرتے ہوئے' اس بحث و فیصلے کو ایسے افراد پر چھوڑتے ہوئے کہ جو ان ادبیات سے آشنائی اور ان کے بارے میں فیصلہ کی صلاحیت رکھتے ہیں' ہم اپنی گفتگو کو عربی و فارسی زبان کے ان شاہکاروں تک محدود کر رہے ہیں کہ جن کو ہم تھوڑا بہت سمجھ سکتے ہیں۔

البتہ عربی و فارسی کے شاہکاروں کے بارے میں بھی صحیح فیصلہ کا حق ادباء اور اہل فن کو حاصل ہے۔ پھر بھی یہ بات مسلم ہے کہ یہ تمام ادبی شاہکار کسی ایک یا چند مخصوص پہلوؤں سے ہی شاہکار کہلاتے ہیں نہ کہ تمام پہلوؤں اور جہتوں سے۔

ان شاہکاروں کے خالقوں میں سے ہر ایک نے فقط کسی خاص اور محدود فن میں اپنے ہنر کا مظاہرہ کیا ہے۔ درحقیقت ان کی فنی استعداد کسی ایک میدان میں محدود و معین رہی ہے اور اگر کبھی اس میدان سے باہر نکلنے کی کوشش بھی کی ہے تو 'گویا' آسمان سے گر کر زمیں پر ڈھیر ہو گئے ہیں۔

فارسی زبان میں بھی ادبی شاہکاروں کا عظیم ذخیرہ موجود ہے۔

> مثلاً : عرفانی غزل، عوامی غزل، پند و نصیحت۔ روحانی و عرفانی تمثیلات، رزمیہ، قصیدہ وغیرہ۔ لیکن جہاں تک میری معلومات کا سوال ہے، ہمارے عالمی شہرت یافتہ شعراء میں کسی ایک نے بھی تمام میدانوں میں شاہکار تخلیق نہیں کئے ہیں۔

حافظ نے عرفانی غزل میں ہنر و شہرت پائی۔ سعدی پند و نصیحت اور عوامی غزل میں مشہور ہوئے۔ فردوسی رزمیہ کلام میں سب سے آگے نکل گئے۔ مولانا روم روحانی و عرفانی تمثیلات اور

باریک اندیشی میں ممتاز ہوئے اور خیام نے فلسفیانہ بدبینی میں سب کو پیچھے چھوڑ دیا۔اسی طرح نظامی کا ایک الگ میدان ہے۔یہی وجہ ہے کہ ان سب کا آپس میں تقابل نہیں کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی ہم کسی ایک کو دوسرے پر فضیلت دے سکتے ہیں۔زیادہ سے زیادہ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ان تمام شعراء کو اپنے اپنے میدان میں پہلا مقام حاصل ہے۔ان تمام غیر معمولی ہستیوں نے اگر اتفاق سے بھی خاص میدان سے ہٹ کر کبھی طبع آزمائی کی ہے تو ان کے دونوں کلام میں نمایاں فرق دیکھنے میں آیا ہے۔

شعرائے عرب کا بھی یہی حال ہے۔چاہے وہ دور جاہلیت کے ہوں یا ان کا تعلق عہد اسلام سے ہو۔

نہج البلاغہ میں ہے کہ مولائے کائنات سے پوچھا گیا کہ عرب کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟

تو آپ نے فرمایا:۔

ان تمام شعراء نے ایک ہی میدان میں گھوڑے نہیں دوڑائے ہیں کہ یہ فیصلہ دیا جاسکے کہ کس نے میدان جیتا ہے۔اس کے بعد فرمایا: اگر اظہار نظر کرنا ضروری ہی ہو جائے تو کہنا چاہئے کہ فاسد و گناہ گار بادشاہ یعنی امرء القیس دوسروں پر مقدم ہے۔''

ابن ابی الحدید مذکورہ جملے کے ذیل میں اسناد کے ساتھ واقعہ نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

حضرت علیؑ رمضان میں ہر شب لوگوں کو کھانے پر مدعو کرتے تھے اور گوشت کھلاتے تھے۔لیکن اس غذا کو خود تناول نہیں فرماتے تھے۔کھانے کے بعد ان کے سامنے خطبہ دیتے اور وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ایک شب کھانے کے دوران ان کے درمیان گزشتہ شعراء پر بحث چھڑ گئی۔حضرت علیؑ نے کھانے کے بعد خطبہ ارشاد فرمایا اور اس کے ضمن میں کہا: (تمہارے امور کے لئے معیار دین ہے۔تمہارا محافظ و نگہبان تقویٰ ہے،تمہارا زیور ادب ہے اور تمہاری آبرو کا حصار حلم پر ہے) اس کے بعد ابوالاسود ؤلی کی طرف مخاطب ہوئے جو وہاں موجود تھے اور اس کے قبل شعراء پر ہونے والی بحث میں شریک تھے،اور فرمایا:۔

بتاؤ کہ میں بھی سنوں تمہاری نگاہ میں دنیائے عرب کا سب سے بڑا شاعر کون ہے؟

ابوالاسود ؤلی نے ابوداؤد ایادی کا ایک شعر پڑھا اور کہا کہ یہ شخص میری نگاہ میں سب سے بڑا شاعر ہے آپ

نے فرمایا: تم نے انتخاب میں غلطی کی ہے۔ایسا نہیں ہے۔

لوگوں نے دیکھا کہ مولائے کائنات ان کے درمیان مورد بحث موضوع کے بارے میں دلچسپی کا اظہار فرمار ہے ہیں تو بیک زبان ہوکر سب نے آواز دی اے امیرالمومنین! آپ ہی بیان فرمادیں کہ دنیائے عرب کا سب سے عظیم شاعر کون ہے؟ آپ نے فرمایا اس موضوع میں فیصلہ صحیح نہیں ہے۔اس لئے کہ اگر تمام شعراء نے کسی ایک میدان میں طبع آزمائی کی ہوتی تو ان کے بارے میں فیصلہ کرنا اور جیتنے والے کی شناسائی کرانا ممکن تھا۔پھر بھی اگر اظہار نظر ضروری ہی ہوجائے تو اس شخص کو پیش کرنا چاہیئے جو نہ ذاتی خواہشات سے متاثر ہوا اور نہ خوف وہراس نے اسکو متاثر کیا۔اور اس نے صرف قوت تخیل اور ذوق شعری کی بنیاد پر اشعار کہے ہیں۔وہ دوسروں سے آگے ہے لوگوں نے دریافت کیا۔اے امیرالمومنین وہ کون ہے؟ آپ نے فرمایا وہ فاسد وگناہ گار بادشاہ امرءالقیس ہے۔

کہتے ہیں کہ مشہور نحوی، یونس، سے جب دور جاہلیت کے سب سے عظیم شاعر کے بارے میں سوال کیا گیا تو اس نے کہا:امرء القیس اذار کب، والنا بغه اذاهرب و زهیر اذا رغب والا عشی اذاطرب۔

''بڑے شعراء میں ایک تو امرءالقیس ہے جب وہ سوار ہو یعنی جس وقت اس کے اندر دلیرانہ احساسات وجذبات مچلے ہوئے ہوں اور وہ رزمیہ کلام کہہ رہا ہو۔دوسرا شاعر نابغہ ذبیانی ہے لیکن اس وقت جب خوف وہراس کے عالم میں عذر خواہی پر اتر آئے اور اپنا دفاع کرنے لگے اور تیسرا زہیر ابن ابی سلمٰی ہے جب وہ کسی پر عاشق وراغب ہوکر اس کی توصیف کرے اور چوتھا اعشی ہے جب وہ مست ہوجائے۔''

یونس کا مقصد یہ تھا کہ یہ تمام شعراء ایک مخصوص میدان کے شہسوار ہیں اور ان لوگوں کے تخلیقاتی شاہکار اسی مخصوص میدان میں محدود ہیں جس میدان کے وہ سوار رہے ہیں۔ان میں سے ہر ایک اپنے اپنے میدان میں دوسروں پر سبقت لے گیا ہے، کسی نے بھی دوسرے میدان میں جوہر نہیں دکھایا ہے۔

علیؑ مختلف میدانوں میں

مولائے کائنات کے کلام کا یہ مجموعہ جو نہج البلاغہ کے نام سے آج ہمارے ہاتھوں میں ہے اس کا ایک خاص اور اہم امتیاز یہ ہے کہ یہ کسی خاص فن میں محدود نہیں ہے۔علی ابن ابی طالب نے خود اپنی ہی تعبیر

کے تحت محض کسی ایک میدان میں ہی گھوڑے نہیں دوڑائے ہیں بلکہ مختلف میدانوں میں حتیٰ کہ کبھی کبھی متضاد سمتوں میں اپنے بیان کے رہوار کی جولانی اور شہسواری کے کمال کا مظاہرہ کیا ہے۔ شاہکار ہے لیکن صرف کسی ایک میدان مثلاً موعظہ یا رزمیہ یا عشقیہ شاعری اور تغزل یا قصیدہ خوانی اور ہجو یہ کلام میں محدود نہیں ہے بلکہ بالکل مختلف اور رنگ برنگے میدانوں میں شاہکار ہے۔ آگے چل کر ہم اس کی تفصیل پیش کریں گے۔

ایسے کلام جو کسی ایک موضوع میں سہی شاہکار ہوں یقیناً زیادہ نہیں ہیں۔ انگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ پھر بھی بہرصورت ہیں اور یہ کہ کلام مختلف میدانوں میں عام سطح کے ہوں شاہکار نہ ہوں ان کی تعداد کہیں زیادہ ہے لیکن یہ کہ کلام شاہکار بھی ہوں اور کسی ایک میدان میں محدود بھی نہ ہو، یہ امتیاز صرف نہج البلاغہ کو حاصل ہے۔

قرآن سے قطع نظر کیونکہ اس کی بات ہی دوسری ہے، آپ کون سا ایسا شاہکار پیش کریں گے کہ جس میں نہج البلاغہ کی سی ہمہ جہتی موجود ہو؟ کلام روح کا ترجمان ہوتا ہے۔ ہر شخص کا کلام اسی دنیا اور ماحول کا ترجمان ہوتا ہے اور اسی ماحول کی عکاسی کرتا ہے جس فضا میں اس کی روح تربیت پاتی ہے۔ چنانچہ فطری طور پر جو کلام متعدد جہانوں سے تعلق رکھتا ہو ایک ایسے جذبہ اور روح کی نشاندہی کرتا ہے جو کسی ایک مخصوص دنیا میں محدود نہیں رہی ہے اور چونکہ روح علیؑ کسی خاص دنیا میں محدود و منحصر نہیں ہے لہذا تمام دنیاؤں اور جہانوں میں موجود ہے اور عارفوں کی زبان میں آپ کی ذات انسان کامل یعنی تمام کمالات و مراتب کا مرقع ہے۔ لہذا آپ کا کلام بھی کسی ایک دنیا تک محدود و منحصر نہیں ہے۔

حضرت علیؑ کے کلام کے امتیازات میں سے یہ بھی ہے کہ آج کی اصطلاح میں اس کے کئی رخ اور پہلو ہیں نہ کہ ایک رخ۔ ایسا نہیں ہے کہ حضرت علیؑ کے کلام اور روح کا ہمہ جہت ہونا کوئی نئی بات ہے جس کی طرف دنیا آج متوجہ ہوئی ہے۔ بلکہ یہ وہ بات ہے کہ جس نے کم از کم ایک ہزار سال پہلے لوگوں پر حیرتوں کے پہاڑ توڑے ہیں۔ سید رضیؒ کہ جن کا تعلق ہزار سال قبل سے ہے اس نکتہ کی جانب متوجہ تھے۔ وہ اپنی شیفتگی کا اظہار اس طرح فرماتے ہیں:

> ''یہ مولائے کائناتؑ کے ان عجائبات میں سے ہے جو خود آپ کی ذات میں منحصر ہے۔ یہ وہ پہلو ہے جس میں آپ کا کوئی بھی شریک و ثانی نہیں ہے۔ چنانچہ جب

انسان آپ کے اس کلام کے بارے میں جو زہد اور وعظ وتنبیہ کے سلسلہ میں ہیں' غور کرتا ہے تو وقتی طور پر یہ بات بھول جاتا ہے کہ کلام ایک ایسے انسان کا ہے جو اپنے عصر کی ایک عظیم اجتماعی شخصیت رہی ہے اور اس کا فرمان ہر جگہ نافذ ہے اور وہ اپنے دور کا ''مالک الرقاب'' فرمانروا رہا ہے، وہ بلاشک وشبہ یہی سمجھتا ہے کہ یہ کلام کسی ایسے انسان کا ہوگا جو زاہدانہ گوشہ نشینی کے سوا کچھ اور جانتا ہی نہیں، ذکر و عبادت کے علاوہ اس کا کچھ اور مشغلہ ہی نہیں تھا۔ گھر کے کسی کونے یا پہاڑ کے کسی درے میں جا کر گوشہ تنہائی اختیار کر لیتا ہے' جہاں وہ اپنی آواز کے سوا کوئی آواز نہیں سنتا اور اپنے آپ کے سوا کسی کو نہیں دیکھتا، معاشرہ اور اس کے ہنگاموں سے بے خبر ہے۔

کوئی یہ بات تسلیم کرنے کو تیار نہیں ہے کہ جس کلام میں زہد و آگہی اور موعظ وتنبیہ کی اس طرح موجیں اٹھ رہی ہوں اور اپنے عروج کو پہنچ گئی ہوں، وہ ایک ایسی ذات کا کلام ہے جو میدان جنگ میں لشکروں کے قلب تک در آتا ہے، تلوار ہوا میں لہراتا ہے اور دشمن کے سرتن سے جدا کرنے کو تیار ہو جاتا ہے، بڑے بڑے سورماؤں کو زمین پر ڈھیر کر کے اس کی تیغ دشمنوں کے خون چاٹ جاتی ہے جب کہ یہی انسان دنیا کا سب سے بڑا زاہد و عابد بھی ہے'' اس کے بعد سید رضیؒ فرماتے ہیں۔

''میں یہ بات اکثر دوستوں کے درمیان کہا کرتا ہوں اور اس طرح انھیں محو حیرت کر دیتا ہوں۔''

شیخ محمد عبدہ بھی نہج البلاغہ کے اسی پہلو سے متاثر ہوئے ہیں کیونکہ اس کے پرت در پرت ہونے اور اپنے قاری کو مختلف جہانوں کی سیر کرانے نے دیگر تمام چیزوں سے زیادہ انہیں متعجب کیا ہے اور ان کی توجہ جذب کی ہے۔ چنانچہ شرح نہج البلاغہ کے مقدمہ میں انھوں نے خود اپنے خیالات کا اظہار فرمادیا ہے۔

''حضرت علیؑ کی سخنوری سے قطع نظر کلی طور پر روح علیؑ ایک وسیع ہمہ جہت اور کئی جنبوں کی حامل روح ہے اور ہمیشہ ان عادات وصفات کی ستائش کی گئی ہے وہ ایک انصاف پسند اور عادل، حاکم اور عابد شب زندہ دار بندے ہیں۔''

محراب عبادت میں گریہ کناں اور میدان جنگ میں مسرور و خنداں نظر آتے ہیں۔ وہ ایک غضبناک سپاہی اور شفیق و مہربان سرپرست ہیں۔ وہ ایک دور اندیش حکیم اور لائق سپہ سالار ہیں، وہ معلم بھی ہیں اور خطیب بھی، قاضی بھی ہیں اور مفتی بھی، کسان بھی ہیں اور ادیب بھی۔ گویا وہ ایک انسان کامل ہیں اور بشریت کی تمام روحانی دنیاؤں پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور تمام خوبیوں سے الگ ایک قابل توجہ نکتہ یہ ہے کہ مولائے کائنات نے باوجود اس کے کہ آپ کے ارشادات کا محور معنویات رہے ہیں فصاحت کو اپنے اوج کمال تک پہنچادیا ہے۔ حضرت علیؑ نے شراب، عشق، عاشقی، فخر ومباہات، جیسے موضاعات پر بحث نہیں کی ہے جہاں گفتگو کے لئے میدان باز ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ آپ نے کہیں بھی خطابت سخنوری کے اظہار کی غرض سے نہیں کی ہے اور آپ نے کلام کو وسیلہ بنایا، ہدف ومقصد قرار نہیں دیا تھا۔ آپ نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ اس کے ذریعہ اپنے بعد کے لئے ایک ہنر وفن کا مرقع اور ادبی شاہکار دنیا کے حوالے کردیں۔

اس سے بھی بالاتر یہ کہ آپ کا کلام کلیت کا حامل ہے، کسی مخصوص زمان ومکان یا افراد میں محدود نہیں ہے۔ آپ کا مخاطب ''انسان'' ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ نہ زمانہ کا پابند ہے اور نہ سرحدوں میں مقید ہے۔ یہ تمام باتیں خطیب کی وسعت نظر کے اعتبار سے میدان کو محدود اور خود خطیب کو پابند بنادیتی ہیں۔

قرآن مجید کے لفظی معجزوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس کے موضوعات ومطالب اگرچہ اپنے عہد میں رائج موضوعات ومطالب سے بالکل جدا ہیں اور ایک نئے ادب کا آغاز کرتے ہیں اور ایک دوسری ہی دنیا سے تعلق رکھتے ہیں، پھر بھی اس کی فصاحت و بلاغت اعجاز کی حد کو پہنچی ہوئی ہے۔ نہج البلاغہ اپنی تمام جہتوں کی طرح اس رخ سے قرآن ہی کے نقش پر گامزن نظر آتی ہے اور درحقیقت قرآن کی ہی پیدا کردہ ہے۔